Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4، شمارہ:3، 2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

جمود بطور وجہِ زوالِ اُمتِ مسلمہ: فکرِ اقبال کی روشنی میں

Stagnation as a Cause of the Decline of the Muslim Ummah: In the Light of Iqbal's Thought

Asfa Akbar
PhD Scholar Department of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur
Dr. Muhammad Asghar Sial
Assistant Professor Department of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur
Dr. Muhammad Rafiq ul Islam
Chairman Department of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur

عاصفہ اکبر
پی۔ ایچ ڈی اسکالر شعبہ اقبال سٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور
ڈاکٹر محمد اصغر
سیال اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اقبال سٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور
ڈاکٹر محمد رفیق الاسلام
چئیرمین شعبہ اقبال سٹڈیز، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

Abstract

This abstract deals with the critical view of Allama Muhammad on Stagnation (intellectual and spiritual rigidity) and the role it plays in the downfall of Muslim Ummah. Allama Iqbal strongly opposed stagnation, which according to him is related with blind imitation(taqlid),loss of creative thinking and detatchment from dynamic spirit of Islam,stagnation paralyzes individual and collective will, suppresses Khudi (selfhood), and societies fail to respond to changing historical and intellectual challenges of modern era, Iqbal's critique of stagnation is of great relevance in present day as Muslim societies are still facing the challenges of intellectual inaction and cultural complacency. By revive the principles of Khudi, creative intellect, and moral courage Iqbal provides a framework of transformation for overcoming stagnation and attaining renewal and progress.

Keywords: *Stagnation, Allama Muhammad Iqbal,Muslim Decline,Modernization, Blind Imitation, Intellectual Stagnation*

کلیدی الفاظ: جُمُود، علامہ محمد اقبال، مسلمانوں کا زوال، تجدید، اندھی تقلید، فکری جمود

اقبال نے شاندار اسلامی تہذیب کی ٹوٹتی بکھرتی باقیات کا مشاہدہ کیا، جو نو آبادیاتی طاقتوں کے عروج اور مسلم معاشروں کو دوچار کرنے والی داخلی تقسیم کے زیر سایہ زوال پزیر تھی۔ فلسفیانہ گہرائی اور روحانی بصیرت سے مالا مال ان کی شاعری امت کو درپیش بیماریوں کی عکاسی کرتی ہے اور اسے محض ایک مذہبی ہستی کے طور پر نہیں بلکہ ایک متحرک قوت کے طور پر پیش کرتی ہے جس کا مقصد انسانی تہذیب میں مسلسل ارتقا اور شراکت ہے۔ اقبال اپنے اشعار کے ذریعے زوال کی ایک داستان بیان کرتے ہیں، جہاں علم، انصاف اور اختراع کی روشنی والی امت اپنے بنیادی اصولوں سے بے تعلقی، تقلید اور منقطع ہونے میں الجھی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ جمود متعدد جہتوں میں ظاہر ہوتا ہے، جس میں روحانی سستی، فکری سستی، سماجی ٹوٹ پھوٹ، اور سیاسی محکومیت شامل ہیں، ان سب کی وجہ وہ اسلامی تعلیمات کے حقیقی جوہر سے انحراف کو قرار دیتے ہیں جو عمل، خود انحصاری اور اتحاد پر زور دیتی ہے۔ اقبال نے ایک ایسے طبقے کی تصویر کشی کی ہے جو اپنے بہادر ماضی کو بھول چکی ہے جہاں استغفار اور انحصار کی جگہ استفسار اور فتح کے جذبے نے لے لی ہے جس کی وجہ سے عالمی میدان میں پسماندگی اور پسماندگی کا دور دورہ ہے۔ علامہ اقبال ایک ایسے معاشرے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں جو سطحی سطح کے مشاہدات سے بالاتر ہے۔ آپ امت پر زور دیتے ہیں کہ وہ ان علامات کو خود سے لگائے

OPEN ACCESS
HEC
DRJI
ISSN INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE
اشاریہ اردو جرائد
EuroPub

گئے زخموں کے طور پر پہچانے جو صرف اندرونی طاقت اور اجتماعی مقصد کے احیا کے ذریعے ہی مندمل ہو سکتے ہیں اگلی سطور میں ہم ان سب عوامل کا مفصل جائزہ لیں گے جن کا علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں بیان فرمایا ہے۔

اُمت مسلمہ کے زوال کا تاریخی تناظر:

اقبال کی شاعری میں جمود کی تصویر کشی کو پوری طرح سے سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کے مشاہدات کو اس تاریخی پس منظر میں پیش کیا جائے جس نے صدیوں سے امت مسلمہ کی خوش قسمتی کو تشکیل دیا۔ امت، جغرافیائی اور نسلی حدود سے ماورا مومنین کے ایک متحد ادارے کے طور پر تصور کی گئی، ابتدائی اسلامی دور میں اپنے عروج کا مشاہدہ کیا، جس میں تیزی سے پھیلاؤ، سائنسی ترقی، اور وسیع خطوں پر پھیلے ہوئے خلافت کے تحت ثقافتی فروغ پایا گیا۔ تاہم، بیسویں صدی کے اوائل میں جس وقت اقبال ایک آواز کے طور پر ابھرے، اس وقت تک متحرک ہستی ایک طویل عرصے تک کٹاؤ کے دور سے گزر چکی تھی، جو اندرونی اور بیرونی عوامل کے سنگم سے متاثر ہو کر بڑے پیمانے پر جمود پر منتج ہوئی۔ داخلی طور پر، دسویں صدی کے آس پاس، اسلامی فقہ میں اجتہاد کے دروازے یا آزاد استدلال کی بندش، ماضی کی تشریحات پر سختی سے عمل پیرا ہونے، مذہبی اور سماجی فکر میں جدت اور موافقت کو گھٹانے کا باعث بنی۔ یہ فکری جمود سیاسی عدم استحکام سے مزید بڑھ گیا، کیوں کہ عباسی خلافت کے زوال نے چھوٹی سلطنتوں کو راستہ دیا جو اکثر فرقہ وارانہ، نسلی اور علاقائی خطوط پر تقسیم کو فروغ دینے، فرقہ وارانہ فلاح وبہبود پر خاندانی مفادات کو ترجیح دیتے تھے۔ بیرونی طور پر، تیرہویں صدی میں منگول حملوں نے بغداد جیسے علمی مراکز کو تباہ کر دیا، علماء کو منتشر کر دیا اور لائبریریوں کو تباہ کر دیا جن میں صدیوں کا ذخیرہ موجود تھا۔ اٹھارویں اور انیسویں صدیوں میں یورپی نوآبادیاتی طاقتوں کے بعد کے عروج نے اس زوال کو مزید بڑھا دیا کیوں کہ شمالی افریقہ سے لے کر جنوبی ایشیا تک مسلم سرزمین سامراجی قبضے میں آ گئی، جس سے امت کو معاشی استحصال، ثقافتی کٹاؤ اور انتظامی طور پر بے اختیاری کا سامنا کرنا پڑا۔ اقبال کی شاعری میں اس تاریخی سفر کو فضل سے ایک المناک زوال کے طور پر دکھایا گیا ہے، جہاں امت جو کبھی روشن خیالی کی محافظ تھی، اب استعمار کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہے جس کی نہ صرف خود مختاری کو چھینی گئی ہے بلکہ امت میں احساس کمتری اور بے بسی کو بھی جنم دیا۔ آپ نے واضح کیا کہ کس طرح غیر ملکی تعلیمی نظاموں اور معاشی تصورات کے نفوذ نے مسلمانوں کو ان کے ورثے سے دور کر دیا، مغربی طریقوں کی نقل کو فروغ دیا جس نے عزت نفس اور فرقہ وارانہ یکجہتی کی بنیادی اقدار کو کھوکھلا کر دیا۔ مزید برآں، پہلی جنگ عظیم کے بعد سلطنت عثمانیہ کی تحلیل حتمی ٹکڑے ٹکڑے ہونے کی علامت ہے، جس سے امت مرکزی اختیار کے بغیر اور قوم پرست تحریکوں کا شکار ہو گئی جنہوں نے اسلامی اتحاد پر ریاستی حدود کو ترجیح دی۔

اقبال کی شاعری کا ایک مرکزی موضوع روحانی جمود ہے جو امت کو متاثر کرتا ہے، اس کو وہ الٰہی منبع سے گہرے تعلق کے طور پر بیان کرتے ہیں جسے مسلم زندگی کے ہر پہلو کو متحرک کرنا چاہیے۔ اقبال اپنی شاعرانہ عکاسی میں امت کو رسمی رسم پرستی کی حالت میں دھکیلتے ہوئے پیش کرتے ہیں، جہاں مذہبی رسومات حقیقی اندرونی یقین اور تبدیلی کی طاقت سے عاری مشینی معمولات بن چکے ہیں۔ یہ روحانی خرابی دنیا کے ساتھ ایک فعال مشغولیت کے بجائے غیر فعال سپردگی کے طور پر ایمان کی غلط تشریح سے پیدا ہوتی ہے، جو ایک ایسی روح کی طرف لے جاتی ہے جو تجدید کے مطالبات کے لیے غیر فعال اور غیر جوابدہ ہے۔ (1) وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ کس طرح امت نے اسلام کی متحرک روح کو فراموش کر دیا ہے، جو مسلسل جدوجہد اور خود پر قابو پانے کا مطالبہ کرتے ہیں، بجائے اس کے کہ وہ سطحی تقویٰ اختیار کرے جو گہری بے حسی اور تبدیلی کے خوف کو چھپاتا ہے۔ یہ جمود ایک وسیع پیمانے پر تقدیر پسندی کے احساس میں ظاہر ہوتا ہے، جہاں مسلمان اپنے اعمال کی ذمہ داری لینے کے بجائے اپنی بدقسمتیوں کو خدائی مرضی سے منسوب کرتے ہیں، اس طرح بے عملی اور انحصار کا ایک چکر جاری رہتا ہے۔ اقبال توحید، خدا کی وحدانیت کے

خاتمے کو نہ صرف ایک مذہبی اصول کے انحراف کے طور پر دیکھتے ہیں بلکہ منقسم کرنے والی قوت کے طور پر اجاگر کرتی ہیں جو ہمت اور جدت کو ابھارتی ہے، پھر بھی جمود کا شکار امت میں، اسے عملی اطلاق کے بغیر کٹر دعوؤں تک محدود کر دیا گیا ہے۔ مزید بر آں، صوفی تصوف کا اثر، جو کہ کبھی روحانی گہرائی کا ذریعہ تھا، کچھ تشریحات میں دنیا سے دستبرداری اور فرار کی طرف لے گیا اور مسلم امت کو معاشرتی ذمہ داریوں سے الگ کر دیا اور مجموعی سستی میں مزید اضافہ کیا:

مُلّا کی نظر نُورِ فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے میخانۂ صُوفی کی مئے ناب (۲)

اقبال اس روحانی زوال میں ملاؤں کے کردار کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جہاں مذہبی رہنما اکثر لوگوں کو متحرک عقیدے کے ساتھ بااختیار بنانے پر ذاتی اختیار اور فرسودہ روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ اقبال اپنے خیالات کے ذریعے استدلال کرتے ہیں، زندگی کے ہر پہلو میں جھانکتے ہیں۔ پیغمبر محمد اور ان کے اصحاب، جنہوں نے عمل اور انصاف کے ساتھ جڑے ہوئے ایمان کو مجسم کیا تھا۔ اقبال کی شاعری اپنے جوہر میں اس روحانی آگ کو دوبارہ بھڑکانے کا مطالبہ کرتی ہے لیکن سب سے پہلے یہ جمود کی علامات کو مسلسل ترقی اور اخلاقی بلندی کے الٰہی تقاضا سے خود ساختہ جلاوطنی کے طور پر تشخیص کرتی ہے:

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آجائے مجھے میرا مقام اے ساقی (۳)

علامہ اقبال کی شاعری روحانی جہت کی تکمیل کرتے ہوئے، امت کے فکری جمود کو یکساں جوش و خروش کے ساتھ حل کرتی ہے، جمود کو علم و تحقیق کے گہوارہ کے طور پر اسلام کی تاریخی میراث سے غداری کے طور پر پیش کرتی ہے۔ اپنی شاعری میں، وہ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ کس طرح مسلم امت، سنہری دور میں سائنسی اور فلسفیانہ ترقیوں میں سب سے آگے تھی، قدیم متون کو یاد رکھنے کے حق میں نئے خیالات کی تلاش سے گریز کرتے ہوئے، تقلید اور مخالف دانشوری کے خول میں پیچھے ہٹ گئی۔ آپ کی یہ فکری بے خوابی، جدت کے خوف سے پیدا ہوتی ہے، جہاں قائم شدہ عقائد سے کسی بھی انحراف کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، جس سے تخلیقی صلاحیتوں میں خلل پیدا ہوتا ہے جو امت کو سائنس، فنون اور انسانیت میں عصری گفتگو میں حصہ ڈالنے سے روکتی ہے۔ اقبال نے نوآبادیاتی نظام تعلیم کے نقصان دہ اثرات پر روشنی ڈالی، جس نے مغربی نصاب کو مسلط کیا جس نے مسلمانوں کو ان کے اپنے فکری ورثے سے دور کر دیا اور تنقیدی سوچ پیدا کرنے میں ناکام رہے، جس کے نتیجے میں ایک ایسی نسل دو جہانوں کے درمیان پھنس گئی جو نہ تو اسلامی حکمت سے پوری طرح جڑی ہوئی ہے اور نہ ہی جدید طریقہ کار میں ماہر ہے:

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا 'لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ' (۴)

ان کے شاعرانہ افکار مغربی فلسفہ اور سائنس کے ساتھ جڑنے میں امت کی ہچکچاہٹ پر تنقید کرتے ہیں نہ کہ رد کی وجہ سے بلکہ انضمام کی عینک کے ذریعے، یہ دلیل دیتے ہیں کہ حقیقی ترقی خارجی علم کو اسلامی اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں مضمر ہے نہ کہ اندھا پن یا اندھا اپنانے میں۔ یہ جمود کٹر تعلیم کے پھیلاؤ کی وجہ سے مزید بڑھ گیا ہے، جہاں مذہبی تعلیم سوالوں کے مقابلے میں مطابقت پر زور دیتی ہے، ایسے افراد پیدا کرتی ہے جو جدید دور کی پیچیدگیوں کو حل کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اقبال کی تشابہ حکایات میں فکری زوال کا تعلق اعتماد کی کمی سے ہے، جہاں امت

کمتری کے نو آبادیاتی بیانیے کو اندرونی بناتی ہے، اجتہاد کے اس جذبے کو ترک کرتی ہے جو کبھی اسلامی قانون اور فکر کی موافقت پذیر تشریحات کی اجازت دیتی تھی۔(۵)

علامہ اقبال اسے ایک شیطانی چکر کے طور پر پیش کرتے ہیں، جہاں فکری قوت کی کمی معاشی پسماندگی اور سماجی برائیوں کا باعث بنتی ہے، جس سے اس جمود کو مزید تقویت ملتی ہے۔ مزید برآں، امت کے الگ تھلگ قومی ریاستوں میں تقسیم ہونے سے سرحدوں کے پار خیالات کے آزادانہ تبادلے میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے، ماضی کے باہم مربوط علمی ربط کے برعکس جنھوں نے ریاضی، طب اور فلکیات میں پیش رفت کی سہولت فراہم کی۔

اقبال اپنی شاعری میں امت کے سماجی جمود کس ایک اہم پرت کے طور پر پیش کرتے ہیں، جہاں وہ تقسیم سے ٹوٹی ہوئی امت کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ جو امت کی اجتماعی طاقت اور ہم آہنگی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اپنی تخلیقات میں اقبال نے سماجی ہم آہنگی کے خاتمے پر افسوس کا اظہار کیا، اسے فرقہ واریت، طبقاتی تفاوت، اور صنفی عدم توازن کے عروج سے منسوب کیا جو ابتدائی اسلام کے مساوات پسندانہ نظریات سے ہٹ چکے ہیں۔ یہ سماجی خرابی باہمی تعاون اور یکجہتی کے فقدان سے ظاہر ہوتی ہے، جہاں مسلمان وسیع تر امت پر تنگ وابستگیوں کو ترجیح دیتے ہیں، جس سے اندرونی تنازعات پیدا ہوتے ہیں جو وسائل اور توانائی کو تعمیری کوششوں سے دور کر دیتے ہیں۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ کس طرح نوآبادیاتی تقسیم اور حکمرانی کی پالیسیوں نے موجودہ طبقات کا استحصال کیا، سنی اور شیعہ، امیر اور غریب، شہری اور دیہی آبادیوں کے درمیان دراڑیں گہری کیں، اس طرح ایک ایسی انتشار کی کیفیت کو برقرار رکھا جو امت کو بیرونی جوڑ توڑ کا شکار بناتی ہے:

شور ہے، ہوگئے دنیا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود!
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو(۶)

اقبال کی شاعری پدرانہ ڈھانچے پر تنقید کرتی ہے جو خواتین کو پسماندہ کرتی ہیں، تعلیم اور عوامی زندگی سے ان کے اخراج کو امت مسلمہ کی نصف صلاحیت کو ضائع کرنے کے طور پر دیکھتے ہیں، معاشرے میں خواتین کی شرکت کو بااختیار بنانے کی پیشن گوئی کی مثال کے برعکس۔ مزید برآں، بہت سے مسلم معاشروں میں جاگیردارانہ نظام کا پھیلاؤ، جیسا کہ ان کے شاعرانہ خیالات میں نمایاں کیا گیا ہے، عدم مساوات کو جنم دیتا ہے، جہاں ایک چھوٹی اشرافیہ دولت اور طاقت کو کنٹرول کرتی ہے، عوام کو غربت اور جہالت میں چھوڑ کر، ناراضگی اور سماجی بدامنی کو فروغ دیتی ہے۔ یہ جمود ایک ثقافتی قدامت پسندی سے جڑا ہوا ہے جو سماجی اصلاحات کے خلاف مزاحمت کرتا ہے، مذہبی ذمہ داریوں کے طور پر غلط نام والے رسوم و رواج سے چمٹے ہوئے ہیں، جو صحت، تعلیم اور خاندانی بہبود جیسے شعبوں میں ترقی کو روکتے ہیں۔ اقبال کی تشریح میں، امت کا سماجی تانے بانے پھٹا ہوا نظر آتا ہے، انفرادیت نے اجتماعی ذمہ داری کی جگہ لے لی ہے، اور دور دراز علاقوں میں مسلمانوں کی حالت زار کے تئیں بے حسی عالمی بھائی چارے کے احساس کو ختم کر رہی ہے۔ وہ شہری اور دیہی تقسیم کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جہاں جدیدیت صرف چند ایک کو فائدہ پہنچاتی ہے:

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ اِبلیسی نظام

پُختہ تر اس سے ہوئے خُوئے غلامی میں عوام(۷)

جس سے وسیع آبادی ترقی کے اوزار کے بغیر روایت پسندی میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری ایک ایسی اصلاح کا مطالبہ کرتی ہے جو ان زخموں کو مندمل کرنے کے لیے توازن اور اتحاد کو بحال کرے۔

سیاسی جمود ایک نمایاں موضوع کے طور پر ابھرتا ہے، جہاں اقبال امت کو سامراجی تسلط اور اندرونی استبداد کے سامنے اپنی خود مختاری اور عمل کھونے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اقبال نے بتایا ہے کہ کس طرح مسلم پالیسیاں، جو کبھی مشاورت اور احتساب پر مبنی طرز حکمرانی کی مثالیں تھیں، آمرانہ حکومتوں یا نوآبادیاتی کٹھ پتلیوں میں انحطاط پذیر ہوئیں، حقیقی نمائندگی اور پیش بینی سے عاری۔ یہ سیاسی جڑت متحرک قیادت کی عدم موجودگی سے پیدا ہوتی ہے، جہاں حکمران قومی یا فرقہ وارانہ مفادات پر ذاتی فائدے کو ترجیح دیتے ہیں، جس سے بدعنوانی، نااہلی اور عوام سے رابطہ منقطع ہو جاتا ہے۔ آپ استعمار کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ استعمار نے مقامی سیاسی ڈھانچے کو ختم کر دیا اور غیر ملکی ماڈل مسلط کیے جو اسلامی اقدار کے ساتھ ہم آہنگ ہونے میں ناکام رہے، جس کے نتیجے میں مخلوط نظام نہ تو بااختیار ہو سکتے ہیں اور نہ ہی متحد:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جُدا ہو دِیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی(۸)

اقبال امت کی محکومیت کو قبول کرنے پر تنقید کرتے ہیں، اسے ایک نفسیاتی شکست کے طور پر دیکھتے ہیں جہاں ابتری کا خوف جمود کو برقرار رکھتا ہے، خود ارادیت کی تحریکوں کو ابھرنے سے روکتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد قومی ریاستوں میں تقسیم نے سیاسی طاقت کو مزید ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، کیونکہ قوم پرستی نے اسلامی ہمہ جہتی کی امنگوں کو زیر کیا، عالمی سطح پر اجتماعی سودے بازی کو کمزور کیا۔ اپنے کاموں کی تشریح کرتے ہوئے، اقبال عوام میں سیاسی تعلیم کی کمی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو فعال شہریوں کے بجائے غیر فعال موضوع بنے ہوئے ہیں، جو ظلم اور استحصال کے دور کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ یہ جمود علاقائی تنازعات اور معاشی انحصار جیسے اہم مسائل کو حل کرنے میں ناکامی سے ظاہر ہوتا ہے، جہاں غیر مسلم طاقتوں کے ساتھ قلیل مدتی اتحاد طویل مدتی خود مختاری کو نقصان پہنچاتا ہے۔ مزید برآں، جابرانہ حکومتوں کے تحت اختلاف رائے اور فکری آزادی کو دبانا سیاسی اختراعات کو دباتا ہے، جس سے امت بین الاقوامی سفارت کاری اور داخلی اصلاحات کے لیے تیار نہیں ہے۔ اقبال کی شاعری اس بات پر زور دیتی ہے کہ حقیقی سیاسی احیاء کے لیے شوریٰ (مشاورت) اور عدل (انصاف) کے اصولوں کی طرف واپسی کی ضرورت ہے، جمود کو بااختیار حکمرانی کے لیے ایک تحریک میں تبدیل کرنا۔

اقبال امت کے ارکان کی روزمرہ زندگی میں جمود کے مظاہر کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں، جس میں وسیع کم ہمتی اور مایوسی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح روحانی سستی ایک روزمرہ کے معمولات میں تبدیل ہوتی ہے جس کا نشان خالی رسومات اور اخلاقی اطمینان سے ہوتا ہے، جہاں افراد اپنے اخلاقی مضمرات کو داخل کیے بغیر نماز اور روزے کی حرکات سے گزرتے ہیں، جس سے ذاتی اور پیشہ ورانہ طرز عمل میں بڑے پیمانے پر منافقت اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ فکری طور پر، یہ جمود غیر متجسس ذہنوں، سطحی علم کے ساتھ مواد اور زندگی بھر سیکھنے کے خلاف مزاحم کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک ایسی افرادی قوت پیدا ہوتی ہے جو مہارتوں اور اختراعات میں پیچھے رہ جاتی ہے، جو معاشی پسماندگی کا باعث بنتی ہے۔ سماجی طور پر، ٹوٹ پھوٹ ظاہر ہوتی ہے، جہاں غربت اور ہجرت کے دباؤ میں خاندانی تعلقات کمزور پڑ جاتے ہیں، اور سماجی میل جول تعاون اور اعتماد کی بجائے شک اور حسد سے داغدار ہوتے ہیں۔

سیاسی طور پر، بے حسی، بدعنوانی، اور بے اختیاری کے عمومی احساس میں روز مرہ کا جمود دیکھا جاتا ہے جو شہری مصروفیت کی حوصلہ شکنی کرتا ہے:

اس جہاں میں اک معیشت اور سَو اُفتاد ہے
رُوح کیا اُس دیس میں اس فکر سے آزاد ہے؟
کیا وہاں بجلی بھی ہے، دہقاں بھی ہے، خرمن بھی ہے؟
قافلے والے بھی ہیں، اندیشہ رہزن بھی ہے؟(۹)

اقبال کے بقول مسلم معاشروں میں آرٹ، ادب اور میڈیا اکثر غیر ملکی رجحانات کی نقل کرتے ہیں، جو کہ ثقافتی اعتماد میں کمی کی عکاسی کرتے ہیں۔ تعلیم میں، بچوں کو پرانا نصاب پڑھایا جاتا ہے جو تنقیدی سوچ سے زیادہ حفظ پر زور دیتا ہے، نسلوں کو اعتدال پسندی کو دوام بخشتا ہے۔ صحت اور فلاح و بہبود کے نظام کو نظر انداز کیا جاتا ہے، جمود کی وجہ سے وبائی امراض اور سماجی مسائل جیسے نشے اور ذہنی صحت کے لیے ناکافی ردعمل ہوتا ہے۔ معاشی طور پر، قیمت میں اضافے کے بغیر وسائل کے حصول پر امت کا انحصار اس چیز کی مثال دیتا ہے، قوموں کو قرضوں اور پسماندگی کے چکروں میں پھنسا دیتا ہے۔

اقبال ایمان کے احیاء کے ذریعے روحانی جمود پر قابو پانے کا تصور پیش کرتے ہیں۔ وہ اسلام کے بنیادی حصے میں واپسی کا تصور کرتے ہیں، جہاں روحانیت صرف مساجد تک محدود نہیں ہے بلکہ مقصد اور لچک کے احساس کو پروان چڑھاتے ہوئے ہر عمل میں پھیل جاتی ہے۔ یہ حیات نو، خودی یا خود پسندی کو فروغ دینے سے شروع ہوتا ہے، جو افراد کو اپنی الٰہی صلاحیتوں کو پہچاننے اور فضیلت کے لیے کوشش کرنے کے حق میں بے حسی کو مسترد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اقبال کے نظریہ خودی کی وضاحت میں خلیفہ عبد الحکیم لکھتے ہیں:

> "اقبال کا خدا انسان کی خودی کی پرورش چاہتا ہے اور یہ نہیں چاہتا کہ اس کے وصال میں انسانوں سمیت باقی ساری کائنات گم ہو جائے۔ خدا کے وصل کے معنی یہ ہونے چاہئیں کہ اس کے مظہر سے وصال پیدا ہو۔ خدا کی ذات کے ساتھ اس کا عالم صفات بھی ہے اور خلوت ذات کے ساتھ جلوت صفات بھی ہے۔"(۱۰)

اقبال کے خیالات ایسی روحانیت کو فروغ دیتے ہیں جو دنیاوی مصروفیات کو مربوط کرتی ہے، مادی کامیابی کو اس کے مخالف کی بجائے روحانی صحت کے مظہر کے طور پر دیکھتے ہیں۔ توحید کو اتحاد اور عمل کی دعوت سے تعبیر کرتے ہوئے، وہ امت پر زور دیتا ہے کہ وہ اپنی تقدیر کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے تقدیر سے بالاتر ہو جائیں آپ کی شاعری ایک اصلاح شدہ تصوف کی وکالت کرتی ہے جو تصوف کو سماجی ذمہ داری کے ساتھ متوازن کرتی ہے، فرار سے گریز کرتے ہوئے بیرونی اصلاح کے لیے اندرونی امن کو بروئے کار لاتی ہے۔ پادریوں کو ایسے رہنما بننا چاہئے جو کنٹرول کے بجائے بااختیار بناتے ہیں، ایسے عقیدے کو فروغ دیتے ہیں جو ظلم کے خلاف جرات کی تحریک کرتا ہے۔ اس طریقہ کے ذریعے، روحانی جمود ایک متحرک توانائی میں بدل جاتا ہے، جو امت کو اخلاقی اور اخلاقی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے:

خودی سے اس طلسمِ رنگ و بُو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تُو سمجھا نہ مَیں سمجھا(۱۱)

اقبال کے متشابہ شاعرانہ افکار امت کے اندر تحقیقات اور ترکیب کے شعلے کو جلا کر فکری جمود کو دور کرنے کا خاکہ فراہم کرتے ہیں۔ وہ اجتہاد کے دروازے دوبارہ کھولنے کی وکالت کرتا ہے، اسلامی متون کی تازہ تشریحات کو عصری تقاضوں سے نمٹنے کی اجازت دیتا ہے، روایت کو جدیدیت

کے ساتھ ملاتا ہے۔ تعلیمی اصلاحات مرکزی حیثیت رکھتی ہیں، نصاب کے ساتھ جو تنقیدی سوچ، سائنسی تجسس، اور فلسفیانہ گہرائی کو فروغ دیتا ہے، جو اسلامی ورثے اور عالمی علم دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اقبال علماء کو مشرق اور مغرب کے درمیان پل کے طور پر تصور کرتے ہیں، مادیت پر تنقید کرتے ہوئے فائدہ مند پیش رفت کو اپناتے ہوئے، اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ امت عالمگیر ترقی میں اپنا حصہ ڈالے۔ سائنس اور آرٹس میں تحقیق کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے، وہ فکری احیاء کو معاشی اور تکنیکی آزادی کے طور پر دیکھتے ہیں:

مُرشد کی یہ تعلیم تھی اے مسلمِ شوریدہ سر
لازم ہے رہرو کے لیے دُنیا میں سامانِ سفر

اور فرماتے ہیں:

اس دَور میں تعلیم ہے امراضِ مِلّت کی دوا
ہے خُونِ فاسد کے لیے تعلیم مثلِ نیشتر (۱۲)

اقبال اتحاد، مساوات اور اجتماعی ذمہ داری کو فروغ دینے کے ذریعے سماجی جمود کو دور کرنے کی حکمت عملیوں کا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ وہ فرقہ وارانہ تقسیم کو مکالمے اور مشترکہ اقدار کے ذریعے ختم کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، اختلافات پر امت کے مشترکہ ورثے پر زور دیتے ہیں۔ صنفی مساوات اہم ہے، تعلیم اور شرکت کے ذریعے خواتین کو بااختیار بنانے کے ساتھ، ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا بھی ازحد ضروری ہے:

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ اُمومت
ہے حضرتِ انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس عِلم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مَدرسۂ زن
ہے عشق و محبّت کے لیے عِلم و ہُنر موت (۱۳)

اقبال کے نظریات سماجی انصاف کو فروغ دیتے ہیں، وسائل کی منصفانہ تقسیم اور اسلامی اصولوں سے متاثر فلاحی نظام کے ذریعے طبقاتی رکاوٹوں کو ختم کرتے ہیں۔ امت کے اقدامات کو انفرادیت کی جگہ لے لینی چاہیے، باہمی امداد کے ذریعے غربت اور تنہائی سے نمٹنے کے لیے۔ وہ ایک ایسے معاشرے کا تصور پیش کرتے ہیں جہاں رسم و رواج جدید ضروریات کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں، اخلاقی بنیادوں کو محفوظ رکھتے ہوئے جابرانہ روایات کو بہاتے ہیں۔ یہ سماجی احیاء امت کے تانے بانے کو مضبوط کرتا ہے، جمود کو ہم آہنگی کی ترقی میں بدل دیتا ہے۔

اقبال مشاورت اور انصاف کے اسلامی نظریات پر مبنی جمہوری طرز حکمرانی کے ذریعے نشاۃ ثانیہ کی تجویز پیش کرتے ہیں۔ وہ ایسی قیادت کی وکالت کرتے ہیں جو عوام کی خدمت کرے، جوابدہ اور تصوراتی، بدعنوانی سے پاک ہمہ گیر تعاون قومی سرحدوں سے ماوراہو، عالمی معاملات میں امت کو متحد کرے۔ شہریات میں تعلیم شہریوں کو بااختیار بناتی ہے، فعال شرکت اور اصلاحی تحریکوں کو فروغ دیتی ہے۔ اقبال کے تصور میں خود انحصاری کے ذریعے استعمار کے خلاف مزاحمت، ثقافتی اقدار کی عکاسی کرنے والے اداروں کی تعمیر شامل ہے۔ سیاسی بیداری کو پروان چڑھانے سے، جمود بااختیار خود مختاری اور بین الاقوامی اثر و رسوخ میں تبدیل ہوتا ہے۔

اقبال کے نزدیک خودی جمود کی تمام شکلوں کا تریاق ہے۔ وہ خودی کو ایک ایسی اندرونی قوت کے طور پر پیش کرتے ہیں جو افراد کو ان کی صلاحیتوں کے لیے بیدار کرتی ہے، خود مختاری کے لیے تابعداری کو مسترد کرتی ہے۔ مختصراً، خودی کی کاشت میں خود کی عکاسی، نظم وضبط اور عمل شامل ہے۔ یہ خود کو الہی مقصد سے جوڑ کر روحانی بے حسی کا مقابلہ کرتا ہے۔ خودی نشاۃ ثانیہ کا انجن بنتا ہے، امت کو جمود سے متحرک کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ اقبال اجتہاد کو جدت پسندی کے ایک آلے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے، قدامت پسند زنجیروں سے آزاد ہونے پر زور دیتے ہیں۔ اقبال نے اس سلسلے میں ایک مقالہ بھی پیش کیا:

"اسی تناظر میں ۱۳ دسمبر ۱۹۲۴ء کو قطب البلاد لاہور میں انھوں نے اپنا فکر انگیز مقالہ "الاجتہاد فی الاسلام" کے عنوان سے پیش کیا جس کی نقول انھوں نے برصغیر کے مختلف اہلِ دانش کی خدمت میں ارسال کیں"(۱۴)۔

وہ اجتہاد کو بدعت کے طور پر نہیں بلکہ وفادار موافقت کے طور پر تصور کرتے ہیں، کیونکہ اجتہاد تخلیقی حل کے ذریعے جمود کو دور کرتا ہے۔ عالموں کو عالمی نظریات کے ساتھ مشغول ہونے کی ترغیب دے کر، اجتہاد امت کے فکری منظر نامے کو زندہ کرتا ہے، مطابقت کو یقینی بناتا ہے:

ہند میں حکمتِ دیں کوئی کہاں سے سیکھے
نہ کہیں لذّتِ کردار، نہ افکارِ عمیق
حلقۂ شوق میں وہ جُرأتِ اندیشہ کہاں
آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!
خود بدلتے نہیں، قُرآں کو بدل دیتے ہیں
ہُوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سِکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

(۱۵)

اقبال قوم پرستی سے بالاتر ہونے پر زور دیتے ہیں تاکہ اندرونی اور بیرونی تقاضوں سے امت مسلمہ کو ہم آہنگ کیا جاسکے۔ اقبال کے نزدیک اسلام میں حب الوطنی ہے مگر مقاصد کے لیے وطن کو چھوڑنا ہی اسلام ہے۔ مسلمانوں کو وطن پرست بن کر اپنے ذاتی مفاد کے لیے چپکے رہنا جائز نہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:

"اسلام کا ظہور بت پرستی کے خلاف ایک احتجاج کی حیثیت رکھتا ہے۔ وطن پرستی بھی بت پرستی کی ایک نازک صورت ہے"(۱۶)۔

اقبال نے اسلام کو مذہب کی روایتی تعریفوں سے ہٹ کر دیکھا۔ اقبال کے نزدیک اسلام کا بنیادی مقصد انسانیت کی زندگی میں ایسا انقلاب لانا جس سے اس کی قومی اور نسلی نقطہ نگاہ میں تبدیلی پیدا کر کے اسے انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ اقبال رقم طراز ہیں:

"یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے نہ نسلی ہے نہ ہی ارادی ہے یا پرائیویٹ بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیاز عالم بشریت کو متحد و منظم کرنا ہے۔"(۱۷)

تعلیم روحانی، فکری اور عملی مہارتوں کو مربوط کرتی ہے، نوجوانوں کو قیادت کے لیے تیار کرتی ہے۔ اقبال جمود کا مقابلہ کرنے کے لیے معاشی خود انحصاری پر زور دیتے ہیں۔ اسلامی اقدار کی عکاسی کے لیے فنون اور ادب کو زندہ کرتے ہوئے ثقافتی بیداری بہت ضروری ہے۔
امت کے جمود کو ختم کرنے کے لئے اقبال کی شاعری تشخیص اور نسخہ دونوں کا کام کرتی ہے۔ روحانی، فکری، سماجی اور سیاسی جہتوں پر طویل غور و فکر کے ذریعے اقبال خودی، اجتہاد، اتحاد اور تعلیم کے ذریعے حیات نو کی راہیں طے کرتے ہوئے جڑت کی گہرائیوں کو روشن کرتے ہیں۔ وہ بے حسی سے بامقصد عمل میں تبدیلی کی ترغیب دیتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک جمود امت مسلمہ کے زوال کی ایک بڑی وجہ ہے۔ اقبال کی شاعری میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ عملی زندگی میں جب تک مسلمان اپنی زندگی میں جمود کو ترک نہیں کریں گے وہ کبھی بھی ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکیں گے۔ اقبال کی شاعری سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ماضی میں امت مسلمہ کے عروج کی بڑی وجہ جمود کا تدارک ہی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ عاصفہ اکبر، ڈاکٹر محمد اصغر سیال، "نسلِ نو: جذبہ شکست خوردگی اور اقبال"، مشمولہ: تحقیقات، مدیر: ڈاکٹر عرفان توحید، ش(۱)۴، مارچ ۲۰۲۵ء، ص ۳۱-۴۵

۲۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، "کلیاتِ اقبال اردو"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۳۸۷

۳۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، "کلیاتِ اقبال اردو"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۳۵۱

۴۔ ایضاً ص ۳۷۷

۵۔ عاصفہ اکبر، ڈاکٹر محمد اصغر سیال، "نسلِ نو: جذبہ شکست خوردگی اور اقبال"، مشمولہ: تحقیقات، مدیر: ڈاکٹر عرفان توحید، ش(۱)۴، مارچ ۲۰۲۵ء، ص ۳۱-۴۵

۶۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، "کلیاتِ اقبال اردو"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۲۳۲

۷۔ ایضاً ص ۴۰۷

۸۔ ایضاً ص ۳۷۴

۹۔ ایضاً ص ۷۰

۱۰۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، "فکرِ اقبال"، ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ، ۱۹۷۷ء، ص ۳۲۴

۱۱۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، "کلیاتِ اقبال اردو"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۳۵۹

۱۲۔ ایضاً ص ۲۷۲

۱۳۔ ایضاً ص ۶۰۸

۱۴۔ علامہ محمد اقبال، "علامہ اقبال کا تصور اجتہاد (مجموعہ مقالات)"، مرتبین: ڈاکٹر ایوب صابر، محمد سہیل عمر، اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۴۰

۱۵۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، "کلیاتِ اقبال اردو"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۵۳۴

۱۶۔ محمد اقبال، "شذرات فکر اقبال"، مترجم: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۸۳

۱۷۔ علامہ محمد اقبال، "حرف اقبال"، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۸۴ء، مرتبہ: لطیف احمد خان شیروانی، ص ۲۲۳

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1.Asfa Akbar,Dr.Asghar Sial,"New Generation: The spirit of defeat and Iqbal",Tahqeeqat,Editor:Dr.Irfan Toheed,S(1),March2025.P:31.45
2.Dr.Allama Muhammad Iqbal,"Kulyat-e-Iqbal Urdu",Sangemeel Publications,Lahore, 2018,P:738
3. Dr.Allama Muhammad Iqbal,"Kulyat-e-Iqbal Urdu",Iqbal Acadmy Pakistan,Lahore, 2018,P:351
4. Ibid,P:377
5. Asfa Akbar,Dr.Asghar Sial,"New Generation: The spirit of defeat and Iqbal",Tahqeeqat,Editor:Dr.Irfan Toheed,S(1),March2025.P:31.45
6. Dr.Allama Muhammad Iqbal,"Kulyat-e-Iqbal Urdu",Iqbal Acadmy Pakistan,Lahore, 2018,P:232
7. Ibid,P:704
8. Ibid,,P:374
9. Dr.Allama Muhammad Iqbal,"Kulyat-e-Iqbal Urdu",Iqbal Acadmy Pakistan,Lahore,2018,P:70
10.Dr.Khalifa Abdulhakeem,"Fikr-e-Iqbal",Ali Garh:Muslim University,1977,P:324
11. Dr.Allama Muhammad Iqbal,"Kulyat-e-Iqbal Urdu",Iqbal Acadmy Pakistan,Lahore, 2018,P:359
12. Ibid, P:272
13. Ibid, P:608
14.Dr. Allama Muhammad Iqbal,"Allama Iqbal ka Tasawar-e-Ijtihad", Acadmy Pakistan, Lahore, 2018, P:40
15. Dr. Allama Muhammad Iqbal,"Kulyat-e-Iqbal Urdu", Iqbal Acadmy Pakistan, Lahore, 2018, P:534
16.Dr. Allama Muhammad Iqbal,"Shuzrat Fikr – e- Iqbal", Translator: Dr. Iftikhar Ahmad Sidique, Majlis Traqi Adab, Lahore,1983, P:83
17.Allama Muhammad Iqbal,"Harf-e-Iqbal", AIOU, Islamabad ,1985, P:223